OPEN ACCESS
Tadabbur-e-Uloom-e-Islamia Research Journal (TUIRJ)
www.tadabburjournal.com
Peer Reviewed Journal
ISSN (print):
ISSN (online):

Tadabbur-e-Uloom-e-Islamia (TUIRJ)
Volume: 2, Issue: 1 January 2021

اصلاح معاشرہ میں صوفیائے کرام کی خدمات کا تجزیاتی مطالعہ

Research Review of Society Reformation of Sufya Services

Published: 01-01-2021
Accepted: 10-10-2020
Received: 08-09-2020

Hafiz Abdul Rauf
(PhD (scholar) The Islamia University of ahawalpur
Email:hafizabdulrauf11@gmail.com

Abstract:

In this article, it has been endeavoured to analyze the services of Sufya to reform the society. Actually, Islam's teaching of good morals is as much about community as it is about the individual. It not only wants to create good and pious people but also wants to create such a clean society. In which individuals and society should be content with the beauty of their personal life but also try to mold the whole collective, religious and cultural life on their own map and pattern. This is because Islam is a collective religion and not a private religion.

Prior to Islam, Platonic thought, Christian mysticism, Hinduism, and Buddhist monasticism combined to impose on man the individual concept of religion, spirituality, and morality. That is to say, every individual can attain his salvation and happiness selfishly, without needing the reformation and welfare of other human beings, only through formal and outward worship and through a monastic lifestyle.

Key Words: Sufya, Society, Freformer, Islam, Shariah, Welfare, Private religion, Platonic thought.

تمہید

اسلام نے اخلاق حسنہ کی جو تعلیم دی، اس کا تعلق جتنا فرد سے ہے، اس سے کہیں زیادہ جماعت معاشرہ سے ہے۔ وہ صرف اچھے اور پاکباز افراد ہی پیدا نہیں کرنا چاہتا بلکہ ایک ایسا صاف ستھرا معاشرہ بھی وجود میں لانا چاہتا ہے۔ جس میں افراد، معاشرہ اپنی ذاتی سیرت کے حسن وجمال پر اکتفانہ کریں بلکہ پوری اجتماعی، مذہبی و تمدنی زندگی کو اپنے نقشے اور نمونے پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے کوئی پرائیویٹ مذہب نہیں ہے۔ اسلام سے قبل افلاطونی فکر، عیسائی تصوف، ہندوویدانت اور بدھ رہبانیت نے مل جل کر انسان پر مذہب، روحانیت اور اخلاق کا انفرادی تصور مسلط کر دیا تھا۔ یعنی ہر فرد اپنی نجات وسعادت خود غرضانہ طور پر' دوسرے انسانوں کی اصلاح اور فلاح سے بے نیاز رہ کر محض رسمی اور ظاہری عبادات کے وسیلے اور راہبانہ طرز زندگی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس بودے اور بے سود تصور کے بالکل برعکس اسلام نے انسانی فلاح وسعادت کو اجتماعی معاشرتی فلاح کے ساتھ مشروط کر دیا۔ اگر معاشرہ بحیثیت مجموعی اور جماعت من حیث الکل غلط اصولوں اور غیر منصفانہ بنیادوں پر قائم ہو تو کوئی فرد محض اپنی ذاتی کوشش سے فلاح یافتہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ اشخاص کی کامیابی کا دارومدار، معاشرے کے صالح اصولوں کے احترام اور استوری پر موقوف ہے۔ دوسروں کی روحانی سعادت اور مادی فلاح کا خیال کئے بغیر کوئی فرد نجات حاصل کر سکتا ہے نہ سعادت، روحانی فلاح سے انسان کے خاکے میں حقیقت کا رنگ بھرا جا سکتا ہے۔

علم باطن جس کو اسلامی اصطلاح میں تصوف بھی کہتے ہیں۔ ایک نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب چیز ہے۔ اس کی دلچسپی کا انداز اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے غرائب نے اقوام عالم کے بعض بہترین دل ودماغ رکھنے والے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ اور عوام کے تخیلات پر ایک گہرا اثر ڈالا ہے۔ ہم اس کی حقیقت سے آگاہ ہو کر یہ اندازہ کر سکیں کہ تصوف کیا ہے؟۔ تصوف اور اسلام کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ اور یہ تحریک مسلمانوں میں کیونکر پیدا ہوئی؟ اور اس کا ارتقاء کس طرح ہوا؟۔ اس حوالہ سے درج ذیل عنوان کے تحت تصوف کو زیر بحث لا کر ہی وضاحت کی جا سکتی ہے۔

تصوف کا مفہوم

"شیخ ابو الحسن علی ہجویری، المعروف داتا گنج بخشؒ (متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء) اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں رقمطراز ہیں"۔ ([1])

"اسم صوفی کی تحقیق میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اہل تصوف کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے۔ دوسرے گروہ کے خیال میں اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برگزیدگی میں صف اول میں ہوتا ہے۔ تیسرے کی رائے میں اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ سے محبت کرتا ہے۔ چوتھے کا نظریہ یہ ہے کہ لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے۔ آگے چل کر ہجویریؒ لکھتے ہیں کہ صفائی سب امور میں محمود ہے اور اس کی ضد کدورت ہے۔ چونکہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب بنا لیا ہے اور طبیعت کی کدورتوں سے پاک وصاف ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا ہے"۔ ([2])

اس اقتباس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ہجویریؒ کے خیال میں "تصوف صفا سے مشتق ہے اور تصوف کا حامل یعنی صوفی وہ ہے جس نے مسلسل مجاہدات اور پیہم ریاضیات کے ذریعے قلب کی صفائی کر لی ہو۔ لہذا صفائے قلب ہی حقیقت میں وہ شے ہے جس کی بدولت انسان اللہ تعالی کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ انسان کے جملہ اعمال کا دارومدار صفائے قلب ہی پر ہے"۔ ([3])

تصوف کی تعریف

تصوف ایک ایسا مسلک ہے جس کی آج تک کوئی جامع تعریف نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف محض ایک ذاتی، تجرباتی، ذوقی اور وجدانی شے ہے۔ چنانچہ تمام اصحاب رائے کا ایک ہی بات پر متفق ہونا محال ہے۔ ہر ایک کا ذوق اور وجدان دوسرے سے مختلف ہے۔ جس کا ذوق جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ حقیقت الامر کو سمجھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلک تصوف نے کسی زمانے میں بھی کوئی واحد اور مستقل صورت اختیار نہیں کی۔ ہر دور میں اس کی شکل بدلتی رہی ہے۔ اوائل اسلام میں تصوف زہد و تقویٰ کی صورت میں موجود تھا زمانہ مابعد میں اس کے اندر مختلف رنگوں کی آمیزش ہوتی رہی۔ چنانچہ اس کی کوئی جامع تعریف ممکن نہ ہو سکی۔

صوفیاء کرام نے اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق تصوف کی جو تعریفیں کی ہیں ان میں سے چند اہم تعریفیں، زمانی طریقے کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے قارئین کو تصوف کے صحیح مفہوم کا علم ہو سکے گا۔

معروف کرخیؒ (متوفی ۲۰۰ھ مطابق ۸۱۶ء) کہتے ہیں "کہ حقائق کو گرفت میں لانا، و قائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا تصوف ہے"۔(4)

"ذوالنون مصریؒ (متوفی ۲۴۵ھ مطابق ۸۵۹ء) سے سوال کیا گیا کہ صوفی کون ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام کائنات میں سے صرف اللہ تعالیٰ کو پسند کیا"۔(5)

سہیل بن عبد اللہ تستریؒ (متوفی ۲۸۳ھ مطابق ۸۹۶ء) کا کہنا ہے کہ:

(الف) "صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پر ہو۔ اور قرب خدائے عزوجل میں بشر سے منقطع ہو اور اس کی آنکھوں میں خاک اور سونا برابر ہو"۔

(ب) "تصوف کے معنی ہیں کہ کم کھانا، خدا سے قرب حاصل کرنا اور مخلوقات سے بھاگنا"۔(6)

جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۷ھ مطابق ۹۱۰ء) سے مروی ہے کہ:

(الف) "عارف وہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسرار نہانی سے گفتگو کرتا ہے تو وہ خاموش رہتا ہے"۔

(ب) "معرفت خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا نام ہے"۔

(ج) "صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمان الٰہی کو ماننے والا ہو"۔(7)

باطن تصوف کے متعلق جنید بغدادیؒ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اس کا ظاہر ہی لئے رہو، باطن کی بابت کچھ نہ پوچھو کیونکہ صوفی وہ ہیں جن کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے اور وہی جانتا ہے۔

تصوف از روئے قرآن

قرآن حکیم میں جابجا حق تعالیٰ کے قرب حق اور معرفت حق کے حصول کی تاکید آئی ہے۔ مثلاً ایک آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ"۔(8)

"میں انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں"۔

تصوف از روئے احادیث

اسی طرح بے شمار احادیث میں قرب الٰہی اور معرفت حق کے حصول کی تاکید آئی ہے۔ایک حدیث قدسی میں، جو امام بخاری نے صحیح بخاری میں روایت کی ہے، آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اس درجہ قرب کو علم روحانیت کی اصطلاح میں فنافی صفات الہیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس سے اوپر فنافی الذات الہیہ کا مقام ہے۔ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

"اتقوا فراصۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ"۔

"مومن کی باطنی بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

تصوف کا آغاز

تیسری صدی ہجری مطابق نویں صدی عیسوی کے آغاز سے تصوف نے علمی اعتبار سے کوئی باقاعدہ شکل اختیار نہیں کی تھی۔ اوائل اسلام میں تصوف زیادہ تر زہد اور تقویٰ کی صورت میں موجود تھا اور اس عہد کے زاہد اور متقی لوگوں کو صوفی کہا جاتا تھا اور اس کا ایک نیا نام تصوف بھی وجود میں آ چکا تھا۔ لیکن اس کی جامع تعریف نہیں کی جاسکتی تھی۔

"تیسری صدی ہجری مطابق نویں صدی عیسوی میں جب تصوف نے علمی شکل اختیار کی تو لوگوں کی توجہ اس کی جانب منعطف ہوئی اور بعد کے محققین نے اس کی اصل یعنی ماخذ کا سراغ لگانے کی کوششیں کیں۔اس ضمن میں سب سے پہلے جن حکمائے اسلام نے کام کیا ان میں خلدیؒ (متوفی ۳۴۸ھ مطابق ۹۵۹ء) ابو نصر سراجؒ (متوفی ۳۷۸ھ مطابق ۹۸۸ء) ابو بکر الکلاباذیؒ (متوفی ۳۸۰ھ مطابق ۹۹۰ء) البیرونیؒ (متوفی ۴۴۰ھ مطابق ۱۰۴۸ء) القشیریؒ (متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۲ء) ہجویریؒ (متوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء) اور امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء) کی تحقیقات کا درجہ مسلمہ طور پر بہت بلند ہے"۔(9)

تصوف کا تنقیدی جائزہ

"یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام اور علمائے تصوف کے متعلق اپنے اپنے نظریات پیش کئے۔ بعد ازاں چودھویں صدی ہجری مطابق انیسویں صدی عیسوی میں مغربی محققین نے تمام گزشتہ تحقیقات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ ان میں سب سے پہلے گولڈزیہر (متوفی ۱۹۲۱ء) کا نام آتا ہے جو ایک جرمن عالم تھا۔ اس کے بعد ایک جرمن عالم نولڈیکی (متوفی ۱۹۳۰ء) نے اس موضوع پر نمایاں کام کیا۔ پھر انگریز سکالرز میں سب سے پہلے پروفیسر نکلسن (متوفی ۱۹۴۵ء) نے تصوف کی طرف توجہ کی اور ۱۹۱۴ء میں اپنی تحقیقی کاوشوں کا نچوڑ ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا۔ موصوف تاحیات اس موضوع پر کام کرتے رہے۔ ان کے بعد ان کے شاگرد رشید پروفیسر اے جے آربیری کا نام قابل ذکر ہے۔ جن کی تحقیقات قابل قدر ہیں"۔(10)

اسی اثناء میں مصر اور ایران میں بھی تصوف کی تحقیق و تدقیق کا کام ہوتا رہا۔ "جن محققین نے اس سلسلے میں گراں قدر کام کیا ان میں مصر کے مصطفیٰ حلیمی پاشا اور ایران کے ڈاکٹر قاسم غنی (متوفی ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء) کے اسمائے گرامی معروف ہیں"۔(11)

صوفیاء کرام کے سلسلہ جات

چھٹی صدی ہجری کو اسلامی تصوف کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں تصوف کا فلسفہ پورے طور پر ترتیب دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اسی زمانے میں بعض روحانی سلسلوں کی داغ بیل بھی پڑی۔ گو ان کا عروج ساتویں صدی ہجری مطابق تیرھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس دور میں تصوف کے نشوونما کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے چند ممتاز مشائخ کے حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔ مثلاً امام غزالیؒ (متوفی ۱۱۱۱ء) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۱۱۶۶ء) شیخ نجیب الدین

عبد القاھر سہر وردیؒ (متوفی ۵۶۳ھ) شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (۱۱۶۵ھ ۱۲۴۰ء) شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ (۱۱۴۴ء۔ ۱۲۳۴ء) یعنی برادرزاد اور شیخ نجیب الدین سہر وردیؒ وغیرہ اور شعراء میں حکیم سنائی، نظامی، گنجوی، خواجہ فرید الدین عطارؒ اور ذرا بعد میں مولانا جلال الدین رومیؒ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ چھٹی ہجری کے آخر تک تصوف بحیثیت ایک فن کے انتہائی کمال کو پہنچ گیا تھا۔ امام غزالی، شیخ اکبر اور شیخ شہاب الدین سہر وردی نے اس کا فلسفہ اصطلاحات، بنیادی مسائل سب کی وضاحت کر دی تھی۔ حکیم سنائی اور خواجہ عطار نے عشق الٰہی کی آگ پھونکنے میں اپنے شاعرانہ کمالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اب تصوف کا صرف عوامی تحریک بننا باقی تھا۔ ساتویں صدی ہجری میں سلسلوں کی تنظیم سے وہ کمی بھی پوری ہو گئی۔ اس صدی میں روحانی سلسلے وجود میں آئے۔ ان کی تشکیل سے تصوف کی تحریک میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ اسلامی تصوف کی تاریخ اس صدی میں ہر اعتبار سے مکمل ہو گئی۔

حقیقت میں صوفیہ کے روحانی سلسلے تصوف کے ارتقاء اور نشو و نما کی آخری منازل ہیں۔ اس کے بعد تصوف کی تحریک زوال و انحطاط کی مختلف حالتوں سے گزرتی رہی اور تصوف آہستہ آہستہ ایک محض خیال، نیم مذہبی رسم، ایک بے عمل اور با آرام زندگی کا وسیلہ، گدا گری کا بہانہ، جاہل اور سادہ لوگوں کو دھوکا دینے کا ذریعہ بن گیا۔

علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں ابو الحسن الفوسنجی (متوفی ۳۴۸ھ) کا جو قول نقل کیا ہے۔ "وہ بھی تصوف کے زوال و انحطاط کی ترجمانی کرتا ہے۔ آج کل تصوف ایک نام ہے بغیر حقیقت کے، لیکن زمانہ سابق میں یہ ایک حقیقت تھا بغیر نام کے"۔

اس میں شک نہیں کہ تصوف کی تحریک میں اصلاح و تجدید کی برابر کوشش کی گئی، لیکن بنیادی طور پر نہ اس کے فلسفہ میں کوئی اضافہ ہوا اور نہ ہی اس کے عملی پروگرام میں کوئی تبدیلی رونمائی ہوئی۔ امام غزالیؒ اور شیخ اکبر کے افکار کے ارد گرد تصوف کی ساری دنیا گردش کرتی رہی۔ ان بزرگوں کی تصانیف کے حاشیوں اور خلاصوں سے باہر نکلنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔ مثنوی مولانا رومؒ نے شاعری کی ساری دنیا کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ غرض ہر لحاظ سے ساتویں صدی ہجری میں تصوف کی تحریک معراج کمال کو پہنچ گئیں۔

روحانی سلاسل کا تعارف

سلسلہ چشتیہ

"برصغیر پاک وہند کے روحانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت سلسلہ چشتیہ کو حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں کئی خصوصیتیں ایسی تھیں، جنہیں اس سر زمین کے حالات خاص طور پر ساز گار تھے۔ مثلاً موسیقی اور سماج کا رواج، ادبیت اور شعر و شاعری سے انس، ملائمت، غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری وغیرہ۔ ان خصوصیتوں نے اس سلسلے کی مقبولیت اور اشاعت میں بڑی مدد دی۔ نیز اس سلسلے کے بزرگوں نے مسلمانان پاک وہند کی روحانی تربیت میں بڑا حصہ لیا ہے"۔ ([12])

سلسلہ چشتیہ کا اجراء

"اس میں شک نہیں کہ ان سے پہلے کچھ چشتی بزرگ یہاں تشریف لا چکے تھے۔ مثلاً خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتیہ، جن کے متعلق مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' میں لکھا ہے کہ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ پاک وہند میں تشریف لائے تھے"۔ ([13])

سلسلہ سہر وردیہ

"سلسلہ سہر وردیہ کی وجہ تسمیہ کی بابت سید صباح الدین نے "بزم صوفیاء" میں لکھا ہے کہ سہر وردیہ، چشتیہ کی طرح ایک مقام کا نام ہے جو عراق و عجم کے اندر ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین، ابو حفص عمر ان کے پیر شیخ ضیاء الدین، ابو نجیب اور موخر الذکر کے پیر شیخ وجیہہ الدین یہیں کے رہنے والے تھے۔ اسی نسبت سے ان کے سلسلہ کو سہر وردیہ کہتے ہیں"۔(14)

سلسلہ سہر وردیہ کا اجرأ

"صوفیائے بر صغیر پاک و ہند کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ کو فروغ دینے والے پہلے بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ غالباً اسی بناء پر ان کو پاک و ہند میں سلسلہ سہر وردیہ کا موسس اعلی کہا جاتا ہے۔ شیخ بہاالدین زکریاؒ کے حالات زندگی مفصل طور پر مختلف تذکروں میں درج ہیں"۔(15)

لیکن اکثر کتابوں میں یہ بھی مرقوم ہے کہ حضرت سخی سرورؒ نے براہ راست شیخ الشیوخ شہاب الدین سہر وردیؒ سے اکتساب فیض حاصل کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ اس لحاظ سے اولیت کا شرف حضرت سخی سرورؒ کو حاصل ہے۔

سلسلہ قادریہ

"یہ سلسلہ چشتیہ اور سہر وردیہ سلسلوں کی طرح مقام کی نسبت سے نہیں بلکہ بانی سلسلہ کے نام کی نسبت سے قادریہ کہلاتا ہے، اگر اس کی نسبت مقام سے ہوتی تو اس کو جیلانیہ یا گیلانیہ کہتے۔ کیونکہ بانی سلسلہ جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے۔

کم و بیش تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ ہیں۔ آپ ہی سلسلہ قادریہ کے سر لشکر ہیں"۔(16)

" آپ نے اپنی زندگی ہی میں اصلاح و تربیت کا اعلی انتظام قائم کر دیا تھا۔ اپنے خلفاء کو دور دور تبلیغ و اشاعت کے لئے بھیج دیا تھا۔ آپ کے بعد اسلامی ممالک کے دور دراز حصوں میں اس سلسلہ کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ آپ ابو صالح موسیٰ کے فرزند ارجمند اور شیخ ابو سعید کے خلیفہ اعظم تھے"۔(17)

سلسلہ قادریہ کا اجرأ

"سب سے پہلے طریقہ قادریہ کے جس بزرگ کا نام ملتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری (متوفی ۱۴۳۰ء) تھے۔ لیکن ان سے سلسلہ بہت پھیلا نہیں اور صحیح طور پر جس بزرگ نے پاک و ہند میں اس سلسلہ کا آغاز کیا۔ وہ حضرت مخدوم محمد گیلانی قدس سرہ تھے۔ حضرت مخدوم محمد گیلانی کی وفات ۱۵۱۷ء میں ہوئی"۔(18)

سلسلہ نقشبندیہ

یہ سلسلہ خواجہ بہاؤ الدین کے لقب نقشبند کی نسبت سے نقشبندیہ کہلاتا ہے۔ یعنی یہ چشتیہ اور سہر وردیہ سلسلوں کی طرح مقام سے نسبت نہیں رکھتا بلکہ قادریہ سلسلہ کی طرح اس کا تعلق بانی سلسلہ کے نام سے ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا اجرأ

سب سے زیادہ قدیم سلسلہ نقشبندیہ ہے، لیکن پاک و ہند میں یہ سب سلسلوں کے بعد پہنچا۔ خواجہ باقی باللہ بیر نگ (متوفی ۱۲۰۳ء) اس کو یہاں لائے۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ

"ایں تخم پاک رااز سمرقند و بخارااور دیم و در زمین برکت آگین ہند کشتیم"۔

"خواجہ باقی باللہ کے عزیز مرید اور خلیفہ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۶۲۹ء) نے اس سلسلہ کو پاک و ہند میں ترقی دی۔ ان کے بعد یہ سلسلہ سلسلہ مجددیہ کے نام سے مشہور ہو گیا"۔ ([19])

دعوت دین کے معاشرتی اثرات

اسلام دنیا میں کیسے پھیلا؟ اور اشاعت اسلام کی بنیادی وجہ خود اسلام کی کشش، فطری ہم آہنگی، پیش آمدہ مسائل کے حل کی صلاحیت، توحید، اخوات و مساوات، اور رواداری پر مبنی تعلیمات کی جاذبیت اور اس کے پیروکاروں کا اعلیٰ اخلاقی نمونہ تھا۔ جس سے متاثر ہو کر بے شمار مخلوق الٰہی نے اسلام قبول کیا۔

ا۔ اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کردار

جن کی تبلیغی مساعی شجر اسلام کے پھیلائو کا سبب بنی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف ادوار میں صوفیاء کی انفرادی کوششوں سے اشاعت اسلام کے سلسلے میں بہت سی کامیابیاں ہوئیں اور جب بھی اشاعت اسلام کی تاریخ لکھی جائے گی صوفیاء کی کوششیں ہمیشہ تشکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ یاد رکھی جائیں گی۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی "مجاہدین اسلام کے ساتھ ساتھ صوفیاء کو ہندوستان میں اشاعت، باعث مجاہدین اسلام کی شجاعت و ایثار ہی نہ تھا بلکہ اس کا بڑا سبب صوفیائے کرام و اولیائے عظام کی روحانیت بھی تھی جن کی خاموش رشد و ہدایت نے اسلام کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی بھی اسی نقطہ نظر کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں"۔ ([20])

الف۔ تعمیر سیرت و کردار

خداوند عالم نے سرزمین عرب میں ہادی عالم رحمت اللعالمین ﷺ کو اصلاح نسل انسانی کے لئے مبعوث فرمایا۔ اسی مقصد سے قبل از وقوع اسلام، کروڑوں پیامبروں کو مبعوث کیا گیا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کی آخری بعثت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے اس کی تقلید کی۔ اور پھر اولیائے کرامؒ اور صوفیائے عظامؒ نے اسی نقش قدم کو اپنا نصب العین بنا کر اپنا مسلک بنایا۔ اور یہی بزرگان دین صوفی کے نام سے متعارف ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہائو الدین نقشبندیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ جنید بغدادیؒ، شیخ سعدیؒ، حافظ شیرازیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، امیر خسروؒ جیسی بے شمار صوفیان کرام تزکیہ نفس باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین سرزمین ہند پر وارد ہوئے۔ جنھوں نے پیام آشتی، فضائے امن کی تبلیغ کر کے لوگوں کو متاثر کیا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بغیر کسی تیغ و اقتدار کے مخلصانہ و فقیرانہ، ان کے بے لوث خدمت انسانی سے متاثر ہو کر جوق در جوق لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور دور حاضر میں بھی ان بزرگان کرام کو بصد عقیدت اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔

ب۔ اصلاح باطن

"سلوک و تصوف کا اصلاح قلب و باطن کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ اس لئے اس میں اعمال و اخلاق کے فضائل کی تربیت اور ان کے رذائل کی اصلاح پر خصوصی توجہ اور زور دیا جاتا ہے۔ فضائل، مثلاً صبر و شکر، خوف و رجا، رضا و تسلیم، توکل، صدق و اخلاص، اور رذائل وغیرہ، مثلاً تکبر، جاہ، ریا و نفاق، عجب و غرور، بغض و حسد، بخل و حرص اور حب مال کی بیخ کنی کی کوشش کی جاتی ہے"۔ ([21])

ج۔تزکیہ نفس

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو لوگوں کے تزکیے کے لئے مبعوث فرمایا۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی لوگوں کا تزکیہ نفس ہی بیان کیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۲"۔(1)

"وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا۔ انہی میں سے وہ اس کی آیات ان پر تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بلا شبہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے تھے"۔(22)

نفس انسانی میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر دونوں کے داعیے بیک وقت رکھے ہیں۔ اب ہر انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ چاہے تو خیر کے داعیے کو پروان چڑھائے اور شر کے داعیے کو دبادے یا اس کے برعکس کرے۔ انسان کے اندر خیر وشر کی یہ کشمکش ہر وقت جاری رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کشمکش کے حوالے سے نفس کی تین حالتوں کا ذکر کیا ہے۔

"وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ"۔(23)

"میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے"۔

دوسری حالت وہ ہوتی ہے جس میں خیر وشر کی کشمکش میں خیر نے ابھی شکست نہیں کھائی ہوتی، لہٰذا نفس انسان کو نیکی پر اکساتا اور برائی پر ملامت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ، وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ"۔(24)

"میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہے"۔

تیسری حالت وہ ہوتی ہے جس میں نفس کے معاملے میں خیر کا پہلو شر پر غالب آجاتا ہے۔ انسان اللہ کے احکام پر عمل کر کے اطاعت کی زندگی گزارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ، ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً"۔(25)

"اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل، اس طرح تو اُس سے راضی وہ تجھ سے خوش"۔

گویا نفس کے اندر خیر اور شر کے داعی بیک وقت موجود رہتے ہیں۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اسے ہدایت کے راستے پر چلائے یا ذلالت اور گمراہی کے راستے پر۔" امام غزالیؒ رذائل نفس کو دور کرنے اور قلبی امراض کے علاج کے لئے نفس کی مخالفت ضروری خیال کرتے ہیں۔ نفس جس چیز کی بھی خواہش کرے اور جدھر بھی مائل ہو اس کے مخالف روش اختیار کی جائے"۔(26)

" اہل تصوف کے نزدیک رعونیت، تکبر اور غرور نفس کو ہٹانے اور دور کرنے کے لئے اپنے نفس کی تذلیل ضروری ہے اور اس کے لئے بھیک مانگنا مفید بتایا جاتا ہے۔ نفس کا غلبہ اور بڑائی اسے پست کیے بغیر ٹوٹ نہیں سکتی اور بھیک مانگنے سے بڑھ کر ذلت اور پستی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی"۔(27)

1۔ الجمعۃ 2:62

دعوت دین کے معاشی اثرات

معاشی اقدار کے فروغ کے سلسلے میں صوفیاء کے اثرات

الف۔کسب حلال

اولین صوفیاء(زاہد)کسب معاش خود بھی کرتے تھے اور دوسرں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ سہل بن عبد اللہ تستریؒ فرماتے ہیں "جس نے کسب رزق پر طعن کیا،اس نے سنت پر طعن کیا"۔[28]

حضرت جنیدؒ کے نزدیک "روزی کمانے کا وہی مقام ہے جو ان اعمال کا ہے۔ جن سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور انسان اس میں اس طرح مشغول ہوتا ہے جس طرح وہ ان اعمال کو بجالانے میں مشغول ہوتا ہے جو مستحب ہیں۔ مثلاً نوافل وغیرہ"۔[29]

ب۔فیاضی وسخاوت

متقدمین صوفیاء نہ صرف کسب حلال کی تلقین فرماتے بلکہ اسے راہ خدا میں خرچ کرنے کی بھی ترغیب دیتے تھے۔ ابو نصر سراج طوسیؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک صوفی کو بچشم خود دیکھا کہ وہ ہر سال ایک ہزار دینار اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتے تھے"۔[30]

"ابو علی مشتولی اس قدر خرچ کرتے تھے کہ مصر کے تاجر بھی اس پر حیران تھے"۔[31]

"حضرت ابراہیم خواص نے اپنے ہم سفر نوجوان کے بیمار ہونے پر اپنے گدھے کو بیچ کر اس پر خرچ کر دیا۔ ابوالحسن نوری نے بہت سارا مال اپنے گھر میں ڈال دیا اور بغداد کے صوفیوں سے کہا آپ میں سے جسے بھی قدر ضرورت ہو، وہ اندر جائے اور اپنی ضرورت کے مطابق مال لیتا جائے"۔[32]

ج۔خدمت خلق

متقدمین صوفیائے کرام کے دربار اور خانقاہیں ایسے مقامات تھے جہاں شاہ و گدا، چھوٹے بڑے، امیر و غریب یکساں حاضر ہوتے تھے۔ صوفیائے کرام ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے اور ہر طرح سے عوام کے کام آتے تھے۔

شیخ برہان الدینؒ غریب اپنے معتقدین کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں۔ دیکھو ایک درخت خود دھوپ میں کھڑا رہتا ہے لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے۔ لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے۔ اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچائے۔

خانقاہ نشینوں نے مذہب کی روح اور غایت کو دنیا طلبی اور عزت و شہرت کے حصول کے لئے وسیلہ نہیں بنایا بلکہ اسلام کی روح کو خدمت خلق، رواداری اور صلح جوئی میں تلاش کیا۔ خانقاہوں میں مسائل کے باوجود دن رات لنگر جاری رہتا ہدیے میں کپڑا آتا تو بانٹ دیا جاتا، نذرانے میں اشرفیاں آتیں تو تقسیم کر دی جاتیں، خانقاہوں میں مسافروں کے قیام وطعام کا انتظام بھی ہوتا۔ تھکے ماندے مسافر جو دور دراز کا سفر کر کے ان خانقاہوں میں قیام کرتے تو ان کے روحانی اور جسمانی سکون کا مکمل انتظام ہوتا اور جب مسافر اگلی منزل کے لئے روانہ ہوتے تو شیخ انہیں زاد راہ کے طور پر نقدی بھی دیتے اور اگر ان کے پاس سواری کا انتظام نہ ہوتا تو سوار بھی مہیا کرتے۔

اشاعت اسلام میں صوفیاء کرام کی خدمات کا جائزہ

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کے اسی حسین امتزاج کی بنیاد پر صوفیائے کرام نے شاندار علمی، دینی اور تبلیغی کارنامے سر انجام دیے۔ اگرچہ ان کارہائے نمایاں کی تفصیل یہاں بیان کرنا ممکن نہیں لیکن ان کا اجمالی سا ادراک مندرجہ ذیل اشارات سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ اسلام کی جو پاکیزہ تعلیمات کتابوں میں درج اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ صوفیاء نے اپنی خانقاہوں میں ان پر عمل کر کے دکھایا۔

۲۔ صوفیاء نے ہر زمانے میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو زندہ رکھا۔

۳۔ صوفیائے کرام سے بڑھ کر تبلیغ اور تعمیر سیرت کا فریضہ کسی جماعت نے قرون وسطیٰ میں انجام نہیں دیا۔

۴۔ صوفیاء نے بادشاہوں کے سامنے علی الاعلان کلمہ حق کہا۔ انہوں نے حکمرانوں کو دینداری کی تلقین کی۔ اس دور میں جب علماء اور فقہا، بادشاہوں کا قرب حاصل کرتے رہے۔ یہ دربار شاہی سے الگ تھلگ رہ کر ملوکیت کے مفاسد بیان کرتے رہے۔ اگر کسی دربار میں گئے بھی تو علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے تاویلات میں مشغول رہنے کی بجائے بادشاہوں کو خود خدا کا درس دیتے رہے۔

۵۔ جب مسلمانوں میں عقلیت کا مذاق پیدا ہوا اور انہوں نے قرآن کی اپنی عقل کے تابع خیال کرنا شروع کیا تو صوفیاء نے محبت الٰہی کا درس دے کر عقلیت کے مضر نتائج کا ازالہ کیا۔

۶۔ فقہاء نے دین کے ظاہر پر زور دیا تو صوفیاء نے باطنی اصلاح اور قلبی طہارت کا درس دے کر قوم کو اعتدال کی راہ دکھائی۔

۷۔ صوفیاء نے ہر دور میں غیر اسلامی عقائد، شرک اور بدعت کی تردید کی۔

۸۔ سرمایہ داری کے مقابلے میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح کی۔

۹۔ جب معتزلہ، فقہا اور متکلمین منطقی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور امت کو فرقوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ اس وقت صوفیاء نے مسلمانوں کو توحید اور یک نگاہی کا درس دیا۔ آپس میں دست و گریبان ہونے کی بجائے محبت اور ہمدردی کا برتائو کرنے کی تلقین کی۔

۱۰۔ معتزلہ، متکلمین اور حکماء نے ذات وصفات باری کی بحثوں میں کافی وقت صرف کیا۔ صوفیاء نے کہا کہ خدا کے بارے میں بحث فضول ہے۔ خدا منطق کے ذریعے سے نہیں مل سکتا۔ آئینہ قلب کو صاف کرنے سے ہی اس سے وصال ممکن ہے۔

۱۱۔ علماء نے دینی کتابیں لکھیں، جب کہ صوفیاء نے وہ انسان تیار کئے، جنہوں نے ان کتابوں کے احکام پر عمل کی بنیاد پر اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا۔

۱۲۔ علماء (متکلمین، معتزلہ، حکماء) نے صرف دماغ کی آبیاری کی۔ صوفیاء نے دماغ کے ساتھ ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا۔

خلاصہ

صوفیاء کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے۔ یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت و معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دور آخر میں "تصوف" پڑ گیا ہے۔ یعنی اخلاص و اخلاق اُسکی بہترین نمود انکی زندگی میں نظر آتی ہے، صوفیاء کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے ان کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبول عام اور بقائے دوام عطا کیا ہے اور ان کو محبوبیت کے خالص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق، جس میں محبت و رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی۔ آج جو ہم برصغیر پاک وہند کے اندر اشاعت اسلام کی روشنی دیکھ رہے ہیں۔ وہ یقیناً صوفیاء کرام ہی کی بدولت ہے، جو اللہ

تعالیٰ نے انہیں اس کی طاقت عطاء کی اور انہوں نے دین اسلام کی اشاعت میں ایک مثالی کردار ادا کیا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم صوفیاء کی تعلیمات کو عام کریں، کیونکہ بزرگانِ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت حاصل کر کے ہی لوگوں کو نیکی کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مترجم: مفتی غلام محی الدین، اسلامی کتب خانہ لاہور، ۱۹۲۳، ص ۲۰۔

2۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مترجم: مفتی غلام محی الدین، ص ۳۰۔

3۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مترجم: مفتی غلام محی الدین، ص ۴۰۔

4. Prof Dr. K.M Jamil, Sufis in the Mangale Era, Alpha, Bravo, Lahore, 1986, P 34

5. Prof Nichilson, The Idea of Personality in Sufism, CambridgeUniversity, 1923, P 80.

6. دہلوی، ولی اللہ، ھمعات، مترجم: محمد سرور، لاہور، ۱۹۴۶، ص ۴۵۔

7۔ جامی، عبدالرحمٰن، نفحات الانس، مطبوعہ لکھنئو، ۱۹۱۵، ص ۳۱۔

8۔ ق:50،16

9۔ ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، مترجم: مفتی غلام محی الدین، ص ۴۴۔

10۔ محمد بشیر، میاں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، س۔ن۔، ج ۴، ص ۴۲۹۔

11۔ نعمانی، شبلی، سوانح مولانا روم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۲، ص ۶۹۔

12۔ محمد اکرم، شیخ، آبِ کوثر، مطبوعہ فیروز سنز لاہور، س۔ن، ص ۲۵۵۔

13۔ غلام سرور، مفتی، خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لاہور، س۔ن، ج ا، ص ۹۴۔

14۔ Satish C, Misra, MuslimCommunitiesin Gujrat, Bombay, Asia Publishing House, ۱۹۶۴, P ۵۷

15۔ 34-Abdul Latif, Syed, An Outline of the Cultural Historyof India, Hyderabad (India), The Institute of Indo-Middle East Cultural Studies, ۱۹۵۸, P ۲۲۹-۲۳۰, Yusuf Hussain, Glimpses of Medical Indian Culture, Bombay Asia Publishing House, ۱۹۵۹, P .۵۳

16۔ یزدانی، عبدالمجید، تصوف، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۱، جلد سوم، ص ۹۸۔

17۔ یزدانی، عبدالمجید، تصوف، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند، ص ۹۹۔

18۔ یزدانی، عبدالمجید، تصوفِ اسلام، ص ۹۸، س۔ن۔

19۔ محمد اکرم، شیخ، آبِ کوثر، ص ۲۸۵۔

20۔ محمد اقبال، علامہ، تاریخ تصوف، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۸۵ء ص ۴۱۔

21۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، مترجم: محمد مالک کاندھلوی، دین محمد اینڈ سنز لاہور، 1967ء، رقم الحدیث ۵۰۶۳۔

22۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الذکوٰۃ، باب الصدقۃ الا عن ظہر غنی، رقم الحدیث ۱۴۲۶۔

23۔ یوسف: ۱۲، ۵۳

24۔ القیامۃ: ۷۵، ۱، ۲

25۔ الفجر: ۸۹، ۲۷، ۲۸

26۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، مترجم: ڈاکٹر ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۶ء ص ۵۳۔

27۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین، اردو ترجمہ، ڈاکٹر ایوب قادری، ص ۵۴۔

28۔ عطار، فرید الدین، شیخ، تذکرۃ اولیاء، الفیصل اردو بازار لاہور، س۔ن، ص ۸۸۔

29۔ عطار، فرید الدین، تذکرۃ الاولیاء، ص ۸۹۔

30۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، ص ۶۲۴۔

31۔ چشتی، نور احمد، تحقیقات چشتی، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ص ۱۱۲۔

32۔ چشتی، نور احمد، تحقیقات چشتی، ص ۱۱۳۔